ماہنامہ

رائے بریلی

پیام عرفات

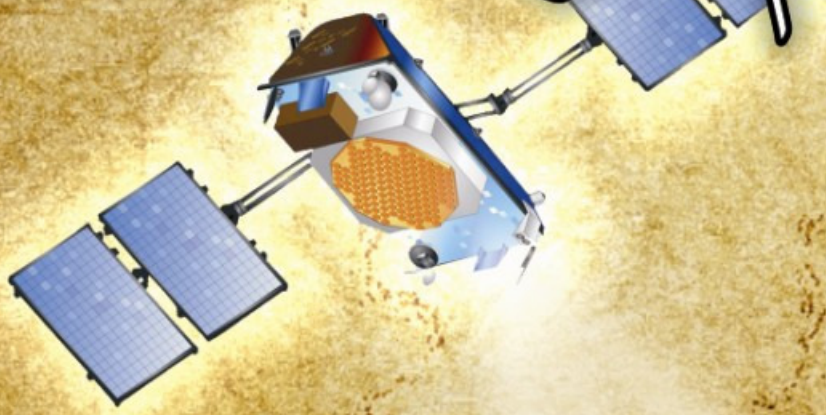

صحافی حضرات سے

''زبان اور قلم کی قوت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، یہ نعمت جس کو ملی ہے، حق ہے کہ وہ اس کی قدر کرے اور اس قوت کو وہ ان کاموں میں صرف کرے جن سے مخلوقاتِ الٰہی کو فائدہ پہنچے، جن سے سچائی ابھرے اور جھوٹ نیچے ہو، جن سے نیکی پروان چڑھے اور بدی پست ہو، جن سے اچھائی پھیلے، اور برائی دبے، جن سے دیس والوں میں ملاپ ہو، انسانی بھائی چارہ اور امن وامان اور شانتی پیدا ہو، لڑائی کا چرچا بند کیا جائے، لوگوں کے دلوں سے انسانوں سے نفرت کا جذبہ مٹے اور اس کی جگہ برائی سے نفرت اور بروں سے ہمدردی کی جائے، اور ان کے ساتھ ہمدردی یہی ہے کہ ان کو برائی کی برائی بتائی اور سمجھائی جائے، اور جس طرح بیماروں کو نہیں بلکہ بیماری کو ہم ناپسند کرتے ہیں اور بیماروں سے ہمدردی کرتے ہیں، اور ان کی خدمت اور تیمارداری کرتے ہیں''۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ

(مطالعۂ سلیمانی)

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

JAN 12

₹10/-

لھو الحدیث

جدید ترین آلات تفریح

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (سورہ لقمان:٦) (اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے، ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔)

لہو ولعب اور تمتع وتفریح کے ساز وسامان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن کا تعلق کھیل مقابلوں اور مظاہروں بڑھی ہوئی دلچسپی اور محویت وانہماک سے ہے۔ دوسری قسم لطف وتفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑ کر لوگ فرائض وواجبات اور ذکر اللہ سے غافل ہوجاتے ہیں، اس میں کہانی قصے دونوں کو یکجا کردیا ہے، اور اس کو ''لھو الحدیث'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

قرآن کا معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ آیت جو آج کے جدید ترین اسالیب وآلات تسلی وتفریح پر بھی منطبق ہوتی ہے، خصوصاً ویڈیو، ٹیلی ویژن پر تو پوری طرح منطبق ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ بیک وقت لہو بھی ہے اور حدیث بھی، تطبیق کی تکمیل آیت کریمہ کے اگلے لفظ سے مزید ہوجاتی ہے کہ فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں۔)

اب دیکھئے کہ اس کے حصول کے لیے رقم خرچ کرنے اور بازار سے خریدنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام لینا رہ گیا ویڈیو اور ٹی وی کا، قرآن تو عربی زبان میں اس میں انگریزی کا لفظ کیسے آتا، عقل کی بات نہیں تھی، لیکن قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نکلی، اگر میں مسجد میں بیٹھ کر کہوں کہ اس میں ٹی وی اور ویڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں کہوں گا، اس لیے قرآن میں کہا گیا ﴿ومن الناس من یشتری لھو الحدیث﴾ جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اہل زبان کی طرح اور محض اللہ کا شکر وانعام ہے کہ ہمیں اسی حجاز ویمن کا فیض پہنچا ہے کہ ہم اس قابل ہوئے ہمارے استاذ عرب تھے، ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی الحمدللہ! ہم ''لھو الحدیث'' کا لطف لے رہے ہیں ہماری عربی کا ذوق ''لھو الحدیث'' دائرہ کی وسعت کو دیکھ رہا ہے، میں اس لفظ کا ترجمہ نہیں کرسکتا حالانکہ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں ''لھو الحدیث'' کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کرسکتا، اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل، اب بتائیے کہ ریڈیو اور ویڈیو وغیرہ میں کیا ہے، اگر یہ ہوتا کہ بہت سے لوگ ہیں جو کھیل کو پسند کرتے ہیں تو اس میں ویڈیو اور ٹی وی نہ آتا مگر باتوں کا کھیل کہا گیا، یہ وہ ہے جو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قرن اول، قرن ثانی، قرن ثالث، اور پانچویں، چھٹیں، ساتویں، آٹھویں یہاں تک کہ میں کہوں گا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا، (یعنی ویڈیو، ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے ''حدیث'' کا ''لھو'' باتوں کا کھیل اور وہ کیا ہے، یہ ویڈیو کا پروگرام، ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ ویڈیو یہ ریکارڈ جو سنے جاتے ہیں سب ''لھو الحدیث'' ہیں۔

آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا بہت سے لوگ ہیں جو ''لھو الحدیث'' خریدتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

جلد نمبر ۴ | جنوری ۲۰۱۲ء - صفر المظفر ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۱

فہرست مضامین

انتخابات مصر- اندیشے اور امیدیں (اداریہ)
بلال عبدالحی حسنی ندوی ۲

میڈیا اور دعوت اسلامی
مولانا واضح رشید حسنی ندوی..... ۳

اپنی اولاد کی فکر کیجیے
مولانا محمد ثانی حسنیؒ..... ۵

مسلم عدل پروری کے شاندار نمونے
پروفیسر محمد اجتباء ندوی ۷

غیر اسلامی اخلاق- قرآن وسنت کی روشنی میں
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ۸

تکافل (تعاونی انشورنس)
مفتی راشد حسین ندوی..... ۹

مغربی تہذیب- ایک طائرانہ نگاہ
عبدالسبحان ناخدا ندوی ۱۲

آپ کے دینی سوالات اور ان کے جوابات..... ۱۵

سیرت محمدی- کامل اور ابدی اسوہ کیوں
محمد نفیس خاں ندوی..... ۱۶

دارعرفات کی دو ذمہ دار شخصیتوں کا حادثۂ وفات..... ۲۰

مرکز
الإمام أبي الحسن الندوي

سرپرست

حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِعرفات)

نگران

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپے | سالانہ: ۱۰۰ روپے

www.abulhasanalinadwi.org

FAX-0535-2211188

Mail: markazulimam@gmail.com

مرکز الامام أبی الحسن الندوي دار عرفات ،تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

انتخابات مصر- اندیشے اور امیدیں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

یہ بات خوش آئند ہے کہ مصر میں طویل استبداد کے بعد جمہوریت کی راہیں ہموار ہوئی ہیں لیکن دوسری طرف خطرات کے بادل بھی منڈلاتے دکھائی دے رہے ہیں، وہاں کے حالیہ انتخابات نے مغربی ملکوں کو چونکا دیا ہے، اسلامی ذہن رکھنے والوں کی اکثریت نے مغرب کو بے چین کر دیا ہے اور ان کی طرف سے اس جمہوریت پر ایک سوالیہ نشان ڈال کر اس کو داغدار کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئی ہیں، جس جمہوریت کی دہائی دیتے دیتے ان کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں، آج وہی جمہوریت ان کے گلے کا کانٹا بن رہی ہے۔

آزادی، جمہوریت جیسے خوشنما الفاظ یورپ کی ڈکشنری میں کچھ دوسرے ہی مفاہیم رکھتے ہیں، اگر کوئی برہنہ رہنا چاہتا ہے تو اس کو کپڑے پہننے پر مجبور کرنا اس کی آزادی کے خلاف ہے لیکن اگر کوئی کپڑے پہننا چاہتا ہو تو اس کو اپنی پسند کے کپڑے پہننے کی اجازت نہیں، یورپ وامریکہ کی دوغلی پالیسی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔

جمہوریت کے علمبرداروں نے اس کا مطلب یہی متعین کیا ہے کہ وہ جمہوریت مغربی افکار کے سائے میں ہو، وہ طریقۂ فکر، نظام تعلیم اور ضابطۂ حیات کسی ملک کے لیے مناسب ہو یا نہ ہو اور وہ لباس کسی کو راس آئے یا نہ آئے لیکن جمہوریت اس کے بغیر پنپ نہیں سکتی، یہ سامراجی نظام آج جمہوریت کے نام پر ملکوں ملکوں میں تھوپا جا رہا ہے۔

حسنی مبارک کو جب تک چوسا جا سکا چوسا گیا، اب اس کو ایک میلے کپڑے کی طرح نکال باہر کیا گیا، اب یورپ کو نئے حسنی مبارک کی تلاش ہے جو یورپ وامریکہ کے کاز کے لیے کام کرے۔

مصر کے حالیہ انتخابات سے یورپ کو یہی بے چینی ہے کہ ان کو قیادت کی کرسی پر اپنا مطلوب نظر نہیں آ رہا ہے، اور اس سے ان کے اپنے مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آ رہے ہیں، اس لیے ان کو یہ انتخابات اور جمہوریت کا یہ راستہ کھوٹا نظر آ رہا ہے۔

اسلام اور مغرب کی کشمکش کی تاریخ بہت طویل ہے، یورپ کا سب سے بڑا حریف اسلام ہے، دوسرے تمام مذاہب یورپ کے آگے سپر ڈال چکے، انہوں نے اپنے اپنے مذاہب کو عبادت خانوں میں سمیٹ لیا لیکن اسلام تنہا وہ مذہب ہے جو عبادت خانہ میں بھی ہے اور بازار میں بھی، جس کا اظہار مسجد کے میناروں سے بھی ہوتا ہے اور تخت سلطنت پر بھی وہ اپنا جلوہ بکھیرنا چاہتا ہے، زندگی کے کسی شعبہ میں وہ پیچھے نہیں رہتا اور ہر جگہ وہ اپنے حریف سے مقابلہ کے لیے تیار رہتا ہے، آزادی کا صحیح مفہوم اسلام ہی متعین کرتا ہے، جمہوریت کی حقیقت بھی یہیں سے فاش ہوتی ہے، یقیناً اسلام کی یہی بالادستی یورپ کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے، الفرائڈ کے نظریہ اباحیت نے یورپ کو جانوروں کے طرز زندگی میں مبتلا کر دیا، اسلام جب انسانی اخلاق کی دعوت دیتا ہے تو ماؤوف دماغوں میں اس کی حقیقت نہیں اتر پاتی اور وہ بجائے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے اس کو اپنا حریف سمجھ لیتے ہیں، جیسے ایک چھوٹے کم عقل بچے کو آگ کا انگارہ پکڑنے سے روکا جائے تو وہ بے چارہ اپنا نقصان نہیں سمجھتا اور احتجاج کرتا ہے، وہی صورت حال آج دنیا کے عقلاء اور دانشوروں کی ہے، وہ پوری دنیا کو ہلاکت کے راستہ پر ڈال چکے ہیں اور جب ان سے نجات کی بات کی جاتی ہے تو وہ احتجاج کرتے ہیں اور اصلاح پسندوں کو مختلف نام دے کر دنیا کی آنکھوں پر بھی پردہ ڈالنے کی کوششیں کرتے ہیں، ہر ملک میں یہ کشمکش جاری ہے، خیر کے چاہنے والوں اور دنیا کو خیر کے راستہ پر ڈالنے والوں کی بھی بڑی ذمہ داری ہے، وہ ضرورت کو بھی دیکھیں اور حکمت کا بھی خیال رکھیں، مصر کے قائدین کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حقائق سے پردہ اٹھائیں اور ایسا نمونہ پیش کریں جس سے لوگ چین کی سانس لے سکیں اور ان کو صحیح اور کامیاب راستہ مل سکے۔

میڈیا اور دعوت اسلامی

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

ریڈیو اور ٹی وی پر دینی پروگرام کی دو شکلیں اس وقت رائج ہیں، بعض پروگرام وہ ہیں جن کو "البرامج الدينية" (مذہبی پروگرام) کہتے ہیں، یہ مستقل پروگراموں میں مختلف مناسبتوں سے ہوتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو "الإذاعات الدينية" (مذہبی نشریات) کہلاتے ہیں، یہ مستقل پروگرام ہیں جو دینی موضوعات سے متعلق ہیں، ان کا تعلق مسلم ملکوں سے ہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں مسلمانوں نے کچھ گھنٹے حاصل کر لیے ہیں جن میں وہ اپنے پروگرام پیش کرتے ہیں، ایسا یورپ کے کئی ممالک میں ہو رہا ہے، اس کی دو شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ بعض مسلم تاجر حضرات گھنٹے خرید لیتے ہیں، یا جتنے گھنٹے استعمال کرتے ہیں ان کی قیمت ادا کرتے ہیں، ان کی حیثیت اشتہار کی ہوتی ہے، یہ پروگرام اسلام کے تعارف کا ذریعہ بنتے ہیں، اس کا تجربہ یورپ کے متعدد ملکوں میں کیا جا رہا ہے، ریڈیو کے علاوہ صحافت میں بھی اس طرح کا تجربہ کیا جاتا ہے، مثلاً وہ ملک غیر مسلم ملک ہے تو مسلمان کو اجازت ہے کہ جتنے گھنٹے جس شکل میں بھی لیں ان میں اپنی مرضی کے پروگرام نشر کریں، اور وہ پروگرام اتنے مؤثر ہوتے ہیں کہ بعض لوگ ان پروگراموں کی وجہ سے مسلمان ہو رہے ہیں، یہی صورت حال TV میں بھی ہے، اس میں مختلف چینل ہیں یا اوقات مخصوص ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ بعض پرائیویٹ ریڈیو اسٹیشن ہیں، جس طرح عیسائی مشنریز کے اسٹیشن ہیں، حرم شریف کی نماز اور حج کے مناظر کو دیکھ کر بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے، پھر بعض ملکوں نے اس پر پابندی لگا دی کہ حج کی فلم نہیں دکھائی جا سکتی، کیونکہ حج کے مناظر دیکھ کر لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔

سعودی عرب میں شاہ فیصل نے جب ٹی وی پروگرام شروع کیے تو وہاں کے علماء نے ان کی مخالفت کی، اس پر انھوں نے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہم اپنا ٹی وی اسٹیشن نہیں رکھیں گے تو لوگ دوسرے ٹی وی اسٹیشنوں کا پروگرام دیکھیں گے، اپنے ٹی وی کو کنٹرول کرنا آسان ہے، دوسروں کے ٹی وی پر کنٹرول مشکل ہے، چنانچہ وہاں اس وقت سے ٹی وی کا رواج ہوا، وہاں ٹی وی پر پانچ وقت کی نمازیں، حج کے زمانہ میں حج کے مناظر اور دیگر اسلامی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں، یہ بات عام مشاہدہ میں ہے کہ خبروں اور تبصروں کے لیے لوگ ٹی وی دیکھتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ اشتہارت کی شکل میں یا ثقافتی پروگرام کی شکل میں مفسد اخلاق اور گمراہ کن فتنہ انگیز مناظر نظر آتے ہیں، اس کا علاج صرف صالح اور کنٹرولڈ ٹی وی ہے۔

اس وقت تعلیم کا سب سے بڑا ذریعہ ٹی وی ہے، سائنس، ٹیکنالوجی اور دیگر علوم ٹی وی پر پیش کیے جاتے ہیں، ان کے سارے اسباق ٹی وی پر آتے ہیں، اسی طرح زبان بھی ٹی وی پر سیکھی جا سکتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ریڈیو پر سننے سے زبان جلدی آتی ہے لیکن بولتے وقت زبان کی جو نقل و حرکت ہوتی ہے، وہ ٹی وی پر دیکھ کر زبان سیکھنے میں اور زیادہ معاون بنتی ہے، بہر حال ٹی وی کے فائدے اور نقصانات دونوں ہیں، اور یہ ایک اہم قضیہ ہے، بلاد عربیہ اور بعض اسلامی ملکوں میں ٹی وی کا دعوت اور اصلاح کے لیے استعمال شروع ہو گیا ہے، اسی طرح انٹرنیٹ کا معاملہ ہے، اس میں بھی دعوتی اور اصلاحی سائٹ بعض اسلامی حلقوں نے حاصل کر لی ہیں، اور ان کے اچھے اثرات محسوس کیے جا رہے ہیں، یہ استفتاء اور افتاء کا بھی ذریعہ ہے، اور اشکالات اور شبہات کے ازالہ کا بھی، متعدد مدارس اور اسلامی حلقوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت ریڈیو اور ٹی وی میں کئی شکلیں اختیار کی جارہی ہیں، بعض تو "إذاعات مستقلة" ہیں، بعض میں "برامج دينية" پیش کیے جاتے ہیں، اور بعض میں بعض گھنٹے مخصوص ہیں، ان میں دینی پروگرام ہوتے ہیں، ریڈیو اور ٹی وی دونوں میں یہی طریقہ اختیار کیا جارہا ہے، ہندوستان میں ابھی اس کا تجربہ نہیں کیا گیا، اس لیے یہاں ایسا نہیں ہورہا ہے، لیکن ریڈیو اور ٹی وی پر بعض موقعوں پر دینی پروگرام نشر ہوتے ہیں، دیگر ممالک میں بعض عرب تنظیمیں ہیں، وہ ان ذرائع سے فائدہ اٹھارہی ہیں، اور اس پر خاصا سرمایہ خرچ کرتی ہیں، ان کی نیوز ایجنسیاں بھی ہیں، انھوں نے ٹی وی کے بعض اوقات خرید لیے ہیں اور بعض نے اپنے الگ چینل قائم کرلیے ہیں، بعض جگہ جیسے ریڈیو میں وقت لیا جاتا ہے، انھوں نے اسی طرح ٹی وی میں وقت لے لیا ہے، اور وہ ان میں اپنا مذہبی پروگرام پیش کرتے ہیں، ایسے ادارے اور کمپنیاں بھی ہیں جو خود اسلامی موضوعات کے کیسٹ صوتی (Audio Cassette) یا مرئی (Video Cassette) تیار کرتی ہیں جو گانوں، ڈراموں اور ڈائی لاگ (Dialogue) پر مشتمل ہوتے ہیں، یہ سلسلہ بھی بہت مقبول ہورہا ہے۔

ایسے پروگراموں کا معاشرہ پر کتنا اچھا اثر پڑ رہا ہے، اور خود ٹی وی والوں میں کیسا رجحان پیدا ہورہا ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل مصر میں ٹی وی پروگرام پیش کرنے میں فنی مہارت رکھنے والی سات عورتوں نے ان مذہبی پروگراموں سے متاثر ہوکر پردہ کرنے کا فیصلہ کرلیا، اس پر ٹی وی والوں نے انھیں ملازمت سے برطرف کردیا، اور جب ان کو برطرف کردیا گیا تو لوگوں نے وہ پروگرام دیکھنا بند کردیا، کیونکہ وہ اتنا اچھا پروگرام پیش کرتی تھیں کہ ان کی جگہ جب دوسری فنکار عورتیں آئیں تو وہ پروگرام غیر مقبول ہوگیا، اس سے ان کا نقصان ہونے لگا، ذمہ داروں نے جب یہ محسوس کیا کہ پروگرام پیش کرنے کا ان کا انداز اتنا اچھا ہے، تو غور وفکر اور مشورہ کے بعد کمیٹی نے انھیں ملازمت پر بحال کرتے ہوئے پردہ کی مشروط اجازت دے دی کہ وہ احتیاط کے ساتھ یہ پروگرام کریں، ان خاتون آرٹسٹوں نے کہا کہ ہم پورا پردہ کریں گے، آخر کار ان کو ان کی مرضی کے مطابق پورا پردہ کرتے ہوئے پروگرام پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

اس سے پہلے ٹی وی کی ایک مشہور فنکارہ کریماں حمزہ نے بھی پردہ کرنے کا فیصلہ کیا، یہ ٹی وی کی سب سے بڑی فنکارہ تھیں، ان کو ان لوگوں نے ملازمت سے الگ کردیا، تو انھوں نے اسلامی پروگرام پیش کرنے کے لیے ٹی وی کے پروگرام کے لیے ایک نظام قائم کرلیا، لوگوں نے ان کی مدد کی، اور وہ اس میں کامیاب ہوئیں، ان کے پروگرام بہت مقبول ہوئے اور ساری دنیا میں پسند کیے جانے لگے، ان کا پروگرام ان لوگوں کے لیے خود ایک چیلنج بن گیا، غرض میڈیا میں اس طرح کے اسلامی رجحانات پیدا ہوگئے ہیں اور ان کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا ہے۔

ہندوستان میں ہم کو اس صورت حال کا اندازہ نہیں ہے، دعوت اسلامی کی جو شکلیں دنیا کے دوسرے حصوں میں اختیار کی جارہی ہیں، ہمیں ان کا علم نہیں، اسی طرح صحافت میں جو بہت معیاری مجلّات ہیں، اعلیٰ معیار کی کتابیں ہیں، خواہ وہ عربی ہوں یا انگریزی ہوں، یا دوسری زبانوں میں، وہ مختلف اداروں سے یہاں تک کہ یورپ کے مختلف ملکوں سے نکل رہے ہیں، ان سے ہمارا ربطہ نہیں رہتا، لیکن یہ وہ وسائل ہیں جو رخ (Trends) بناتے ہیں، ان کے مطالعہ سے مایوسی کے بجائے امید پیدا ہوتی ہے اور Optimism بڑھتا ہے، مسلمانوں میں ان سے جو لوگ واقف ہیں ان تمام چیزوں سے وہ بہت پرامید ہیں، میڈیا یا نشر واشاعت کے ذرائع سے یورپ میں کثرت سے اہل علم مسلمان ہورہے ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس طرح کی کوششوں کی ضرورت ہے، مفید اور معلوماتی رسائل کی خاصی کمی ہے خاص کر وہ ایسے رسائل جو غیروں کی فکر کو مہمیز کرے اور انھیں اسلام کی حقیقت کو سمجھنے میں مدد کرے، اس سلسلہ میں کوششیں ضرور ہورہی ہیں لیکن ابھی اس میں تیزی لانے کی اور معیار کو بلند کرنے کی ضرورت ہے۔

اپنی اولاد کی فکر کیجیے

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

اگر آپ کسی خاتون کو دیکھیں کہ وہ اپنے کپڑوں اور زیور کی صفائی کا خیال نہیں رکھتی، زیور کا شوق تو بہت ہے مگر نہایت گندہ ،رنگ اڑا ہوا ٹوٹا پھوٹا خانوں اور درازوں میں میل جما ہوا، کپڑے نہایت گندے بے ڈھنگے سلے ہوئے لاابالی پن سے پہنے مجلسوں اور محفلوں میں شریک ہوتی ہے تو آپ ایسی خاتون کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہ کریں گی بلکہ اس کو پھوہڑ اور اجڈ کہیں گی اور کوئی خاتون چاہے وہ جتنی غریب ہی کیوں نہ ہو اس انداز سے رہنا پسند نہیں کرتی، ہر خاتون کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کپڑوں اور زیوروں کا بہت خیال رکھتی ہے اور اس لیے رکھتی ہے کہ دوسری عورتوں میں وہ نکّو نہ بنائی جائے، سوسائٹی میں اس کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائے، جہاں وہ جائے دوسری عورتیں اس کو جگہ دیں، اس کی طرف متوجہ ہوں، اس سے بات کریں، اس کو پھوہڑ اور اجڈ نہ کہیں، اسی لیے ہر خاتون اپنے کپڑوں اور زیور کو سنبھال سنبھال کر رکھتی ہے، ان کی صفائی اور ستھرائی کا خیال کرتی ہے، کسی غلط جگہ ان کو نہیں رکھتی کہ ضائع نہ ہو جائیں، کسی دوسرے کو دیتے ہوئے ہچکچاتی ہے کہ غلط طریقہ سے استعمال سے ٹوٹ یا پھٹ نہ جائیں، ان کی حفاظت پر اپنا عزیز وقت اور محنت صرف کرتی ہے، اور یہ معاملہ صرف کپڑوں اور زیور کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اپنی ہر عزیز اور قیمتی چیز کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتی ہے، اب اگر کوئی دوسری خاتون اس سے کپڑے مانگے اور پہن پہن کر پھاڑ دے، اس سے زیور عاریۃً لے اور توڑ ڈالے، اس سے روپیہ قرض لے اور ادا نہ کرے، اس کے کپڑوں یا زیور کو گندہ کر دے، تو اس خاتون کو کتنا غصہ آئے گا؟! وہ آپے سے باہر ہو جائیگی! بُرا بھلا کہے گی اور جی جان سے بیزار ہو جائیگی!

لیکن کتنے رنج وافسوس کی بات ہے کہ ہر خاتون اپنی ایسی چیزوں کی طرف زیادہ دھیان دیتی ہے جو میلی اور ٹوٹنے پھوٹنے والی ہیں، جن کے ضائع ہونے کے بعد ویسی ہی اور بعض اس سے بہتر چیزیں ملتی ہیں۔ کپڑے پھٹتے اور بنتے ہیں، زیور ٹوٹتا اور بنتا ہے، مال کھوتا اور ملتا ہے، لیکن ایک ایسا زیور بھی ہے جس کے ضائع ہونے کے بعد دوسرا ملنا مشکل ہے، جس کے بگڑ جانے کے بعد اس کا سُدھرنا آسان نہیں، ایک ایسا ہار بھی ہے جو کسی ایک محفل کے لیے زیب وزینت یا ذلت کا باعث نہیں ہوتا بلکہ وہ ساری زندگی زیب وزینت کا باعث ہوتا ہے یا ذلت وخواری کا، وہ زیور اولاد ہے، معصوم بچے اور بچیاں ہیں، کھلتی ہوئی کلیاں ہیں، جو سچے موتی اور سونے کے تار ہیں، جن کو صحیح طور پر ٹانکنے، ان کی حفاظت کرنے اور سنبھال سنبھال کر رکھنے ہی سے سگھڑپن اور سلیقہ مندی کا پتہ چلتا ہے اور نگاہوں میں وقعت پیدا ہوتی ہے، ہر مجلس میں سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے، وہ حقیقی زیور صرف جسم پر پہنچ کر خوبصورت نہیں لگتا بلکہ وہ جہاں جاتا ہے اس پر جس کی نگاہ پڑتی ہے وہ اس کی تعریف کرتا ہے، جس کے سلیقہ اور ہنرمندی سے یہ زیور صاف وشفاف رہا۔

مگر اس حقیقی زیور کی طرف کسی خاتون کی نظر نہیں جاتی، اس کی تربیت وتعلیم، اس کے اخلاق کی پاکی، اس کے کیریکٹر کی مضبوطی کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی، اگر کوئی کپڑے اور زیور کی برائی کر دے تو آپے سے باہر ہو جاتی ہیں، دل میں نہ بجھنے والی آگ لگ جاتی ہے، لیکن اولاد کے اخلاق کی کوئی برائی کرے تو جوں تک نہیں رینگتی، جسم کا زیور ایک دن کے لیے کسی دوسری جگہ بھیجنا یا کسی غلط ہاتھ میں دینا گوارہ نہیں ہوتا لیکن یہ ساری زندگی کا سرمایہ اور سب سے قیمتی اور حسین زیور اولاد دن دن بھر آوارہ پھرے، غلط صحبتوں میں وقت گزارے، غلط ہاتھوں میں

پڑ جائے تو کسی کو دکھ نہیں ہوتا، نہ فکر لاحق ہوتی ہے۔

جسم کے کپڑے میں اگر کوئی نقص کھردچہ لگ جائے یا بخیہ اڈھر جائے، زیور کا کوئی باریک حصہ ٹوٹ جائے، اس پر میل جم جائے، تو سارے کام چھوڑ کر اس کی درستگی کی فکر ہوتی ہے، لیکن اولاد میں بڑی سے بڑی خرابی آجائے، اس کے اخلاق بگڑ جائیں، اس کا دین خراب ہو، اس کی زبان گندی ہوجائے، تو انصاف سے بتایئے کہ ماں باپ کو کتنی فکر ہوتی ہے؟ وہ ان کے سدھارنے کے لیے کتنا وقت لگاتے ہیں؟ ایک ایسے ہار کے لیے بڑے سے بڑا اہتمام ہوتا ہے جو صرف ایک مجلس یا محفل میں گلے کا ہار بن کر رہ جاتا ہے، مگر اولاد جو ساری زندگی کے لیے گلے کا ہار ہوتی ہے، اس کو خوبصورت بنانے کی کس ماں یا بہن کو فکر ہوتی ہے کیا یہ فکر کے قابل نہیں؟ کیا اس کے لیے اپنا عزیز وقت لگانا ضروری نہیں؟ کیا اس کے لیے مال و دولت صرف کرنا قابل توجہ نہیں؟ اور کیا اس سے کوئی انکار کرسکتا ہے کہ زندگی کا یہ سرمایہ اور قیمتی زیور آج کس طرح در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے، سڑکوں پر آوارہ پھر رہا ہے، غلط اور بیہودہ سوسائٹی کی نذر ہو رہا ہے، ذلیل اور قابل نفرت صحبتوں اور گندے ماحول میں وقت گزاری کر رہا ہے، جس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ نہیں۔

جس ملک میں ہم رہتے اور بستے ہیں یہاں کے حالات تیزی کے ساتھ ہمارے بچوں کے لیے خطرناک بنتے جارہے ہیں، اگر ہم خود ادھر توجہ نہ کریں گے اور اپنی ساری قوت اولاد کی تعلیم و تربیت پر نہ لگائیں گے تو ارتداد اور الحاد کا ہمہ گیر فتنہ ہماری نسلوں کو تباہ کردے گا، جس کے آثار شروع ہوچکے ہیں، یہ وہ نازک وقت ہے جب کہ ہم غفلت و سستی کا لبادہ اتار کر اور اپنی ذاتی فکر کو چھوڑ کر نسلوں کی حفاظت کے لیے کام کریں، ہم کو کسی دوسری قوم سے شکوہ و شکایت کرنے کا حق نہیں، نہ کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت ہے، ایک زندہ قوم نازک سے نازک حالات میں بھی حوصلہ اور عزم کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔

ماؤں پر اس لیے زیادہ ذمہ داری ہے کہ اب سے پہلے انہیں کی تربیت نے مسلمان بچوں کو قوم کا نگہبان بنایا اور انہیں کے تربیت یافتہ نونہالوں نے دنیا کو تہذیب و تمدن سکھایا، درندوں سے انسان بنایا، کیا آج وہ اپنی ان خدمات کو دُھرا نہیں سکتیں، یہ حقیقت ہے جو کسی چیز کے حصول کے لیے محنت کرتا ہے اور تکلیفیں اٹھاتا ہے وہی اس چیز کی قدر و قیمت پہچانتا ہے اور اس کو دل و جان سے عزیز رکھتا ہے، مائیں جس طرح اپنی اولاد کے لیے محنت کرتی ہیں اور اس کی پرورش کرتی ہیں اور اس کی پرورش میں خون پسینہ ایک کرتی ہیں، وہی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کرسکتی ہیں۔

آپ کو آپ کا زیور عزیز ہے لیکن اس سے زیادہ اولاد عزیز ہونی چاہیے، آپ اپنے کپڑوں اور زیور کی ہر وقت حفاظت کرتی رہتی ہیں لیکن اس سے زیادہ اولاد کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے، آپ اپنے جسم اپنے کپڑوں اپنے زیور اپنے مال کو ہر طرح کی خرابی سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں اس سے زیادہ اپنی اولاد کو بداخلاقی بے دینی آوارگی سے بچانے کی کوشش کیجیے، اس لیے کہ یہ چیزیں آپ کے عارضی حسن و جمال کا سامان ہیں اور تھوڑے دن کے لیے آپ کے سگھڑپن اور سلیقہ مندی کی تعریف کا باعث ہیں، لیکن اولاد ساری زندگی بلکہ زندگی کے بعد بھی آپ کو سرخروئی اور عزت دلانے والی ہے آپ نے ان ظاہری چیزوں کے لیے کوئی بڑی محنت نہیں کی، لیکن اولاد کے لیے آپ کو تھکا دینے والی مشقت اٹھانی پڑی ہے اور اس کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنا پڑی ہے، آپ کا یہ ظاہری زیور یہ خوبصورت کپڑی یہ مال و دولت چند لمحوں کی واہ واہ کا باعث ہیں، لیکن اولاد صرف تعریف نہ کرائے گی بلکہ پائدار امن و سکوں نہ ختم ہونے والا آرام و راحت اور بڑھاپے کا سہارا دین و دنیا کی عزت دلانے والی اور ہر نگاہ میں وقیع بنانے والی ہے، اب آپ کے اختیار میں ہے چاہے اپنے کپڑوں اور زیوروں میں الجھ کر رہ جایئے اور چاہے اولاد کی صحیح تربیت و تعلیم اور دیکھ بھال کر کے حقیقی زیور دائمی حسن و جمال اور نہ ختم ہونے والا قرار و سکون حاصل کیجیے ان دونوں کا مقابلہ کیجیے اور جو آپ کے نزدیک زیادہ اہم زیادہ بہتر اور زیادہ پائدار ہو اس کو اختیار کیجیے!

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

مسلم عدل پروری کے شاندار نمونے

اسلام کی نمایاں اور امتیازی خصوصیت خدا کی زمین میں عدل وانصاف قائم کرنا تھا، اور ظلم وجور سے انسانی بستی کو پاک وصاف بنانا اور امن وآشتی اور محبت واخوت کا گہوارہ بنانا تھا، چنانچہ قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ میں جگہ جگہ عدل قائم کرنے اور اپنے اور غیروں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم اور تلقین پائی جاتی ہے۔

ایک اور جامع آیت سماعت فرمایئے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (سورۃ المائدہ:۸) (اے ایمان والو! اللہ تعالی کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور خاص لوگوں کے عداوت تمہارے لیے اس کا باعث نہ ہوجائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے)۔

عدل وانصاف میں اپنا بھائی، اور غیر، دوست اور دشمن، چھوٹا اور بڑا، مرد، عورت اور بچہ سب یکساں اور برابر ہیں، رسول ﷺ نے انصاف کرنے والے انسان، حاکم اور جج کو بڑے بلند الفاظ سے یاد فرمایا ہے، قیامت کے روز جب سورج سوا نیزہ پر آجائے گا، اور لوگ دھوپ اور تپش سے بلبلاتے پھر رہے ہوں گے، اور کسی کو سایہ نصیب نہ ہوگا، صرف سات قسم کے انسانوں کے لیے خدا کا سایہ حاصل ہوگا، انہیں میں انصاف وعدل قائم کرنے والا شخص بھی شامل ہوگا۔

آیئے! اس روشنی میں مسلمانوں کی زندگی کے چند عبرت آمیز واقعات بھی سنتے چلیں، حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے ہیں، مدینہ منورہ پر اسلام سایہ فگن ہے، احکام الٰہی رگ وپے میں سرایت کرتے جارہے ہیں، طاعت وعبادت گذاری کا ذوق وشوق ہے، اگر بھول چوک سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو خود بخود سزا کے لیے دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر کفارہ کا مطالبہ ہوتا ہے، مگر اسی اثناء میں ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ جو رہتی دنیا تک کے لیے روشنی کا مینار اور انصاف کا اعلی نمونہ ثابت ہوتا ہے، قبیلہ قریش کے ایک اعلی خاندان بنو مخزوم کی ایک خاتون چوری کا ارتکاب کرتی ہیں اور موقع پر پکڑ لی جاتی ہیں، انہیں سزا کے لیے پیش کردیا جاتا ہے، قریش کو سخت صدمہ اور ذلت کا احساس ہوتا ہے، کسی طرح اس خاتون قریش کو سزا سے بچانا چاہتے ہیں، مگر رسول ﷺ سے سفارش کون کرے، یکدم انہیں خیال آتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ حضور اکرم ﷺ کو بہت عزیز اور پیارے ہیں اگر وہ اس سلسلہ میں بات کریں گے تو ان کی سفارش قابل قبول ہوگی، حضرت اسامہ قریش کے کہنے سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سفارش لے کر حاضر ہوئے، حضور اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا فرمایا: ''اسامہ تم اللہ تعالیٰ کے مقررہ سزا کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟ اس کے بعد منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہوگئے کہ اگر ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور وکمتر آدمی چراتا تو اسے سزا دیتے، خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ چراتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا''۔ (بخاری)

☆ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت ہے، سلطنت، عدالت، فوج اور انتظامیہ کی تنظیم ہورہی ہے، ہر ہر قدم پر اخوت، مساوات، اور عدل وانصاف پیش نظر ہے، کوئی امتیاز، کوئی تفریق، اور بھید بھاؤ نہیں ہے..... (باقی صفحہ پر)

مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی

غیر اسلامی اخلاق
قرآن وسنت کی روشنی میں

بے ایمانی اور ناپ تول میں کمی

اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے ہر شخص کے حقوق متعین کر دیے ہیں اور اس کی اپنی چیزوں میں اس کو تصرف کا حق دیا ہے، اب کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بغیر اجازت وہ اس کی مملوکہ چیزوں میں تصرف کرے، اب اگر کوئی بے ایمانی سے چوری اور دھوکہ بازی سے زبردستی کسی کی ملکیت پر قبضہ جمانا چاہتا ہے گویا وہ دنیا کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے نظام عدل کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے، اسی کو قرآن نے یوں کہا ہے۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (النساء:۲۹) (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طریقہ سے مت کھاؤ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فریقین میں سے کوئی ایک زیادہ بات بنانے والا ہے اور وہ اپنے دعویٰ کو اچھے انداز سے بیان کرتا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں، اگر میں نے کوئی ایسی چیز دلا دی جو اس کی نہیں تو وہ خود نہ لے کیونکہ میں نے اس کو آگ کا ٹکڑا دیا ہے" (ابوداؤد)

اگر کوئی شخص چرب زبانی اور زبان کے جادو سے کسی کے حق پر قبضہ کر لیتا ہے اور اس کو اپنے تصرف میں لے آتا ہے تو یہ اس کے لیے کسی طرح جائز نہیں اگر چہ اس کو تصرف کی اجازت سپریم کورٹ ہی سے کیوں نہ ملی ہو، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم سے عہد کرو کہ تم شرک، چوری اور بدکاری نہ کرو گے (پھر آیت کریمہ پڑھی) جو کوئی یہ عہد پورا کرے گا تو اس کی مزدوری اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان میں سے کسی ایک کا مرتکب ہوا اور اس کی سزا اس کو دے دی گئی تو اس گناہ کا کفارہ ہو گیا اور اگر کسی نے ایک کا ارتکاب کیا اور خدا نے اس کو چھپا دیا تو اس کا معاف کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے، چاہے معاف کرے چاہے سزا دے" (بخاری)

قرآن مجید کا ناپ تول میں کمی کے بارے میں حکم ہوا: ﴿أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ☆ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ☆ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ (شعراء:۱۸۱-۱۸۳) (اور پورا بھر دو ناپ اور نہ ہو نقصان دینے والے اور تولو سیدھی ترازو سے مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت پھرو ملک میں فساد پھیلاتے)۔

حسد اور فحش گوئی

معاشرہ کی بربادی اور سوسائٹی کی خرابی کے لیے دو ایسے سبب موجود ہیں جو آج کل خاص طور سے معاشرہ کے فساد کا ذریعہ بن رہے ہیں اور ان میں بھی حسد کا جو کردار ہے وہ نہایت گھناؤنا اور بدترین ہے ان دونوں کے سلسلہ میں اسلام نے ابتداء ہی سے مسلمانوں کے دل و دماغ میں اس کی برائی خرابی بیٹھانے اور فکر و نظر کو اس سے بلند رکھنے کی تلقین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تباغضوا وکونوا عباداللہ اخوانا"۔ بدگمانی سے بچو بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ کی بات ہے نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ نہ باہم حسد کرو نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو نہ باہم بغض رکھو بلکہ خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ............ (بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

مفتی راشد حسین ندوی

تکافل
(تعاونی انشورنس)

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

اسلام نے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کا بار بار حکم دیا ہے، اگر اس موضوع سے متعلق نصوص اکٹھا کی جائیں تو خاصہ بڑا ذخیرہ جمع ہوسکتا ہے، اس مختصر تحریر میں ہم بطور نمونہ صرف چند آیات اور احادیث پیش کرتے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر، اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر)

۲- نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں مسلمانوں کی مثال جسم کی طرح ہے، کہ جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو جگنے اور بخار آنے میں پورا جسم ساتھ دیتا ہے''۔ (مسلم: ۲۵۸۶)

۳- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مومن مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے''۔ (متفق علیہ)

۴- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اشعری قبیلہ کے لوگوں کا زادراہ جب غزوہ میں ختم ہو جاتا ہے، یا مدینہ، میں ان کے گھر کا غلہ کم ہو جاتا ہے تو ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اسے وہ ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر اپنے درمیان برابر برابر ایک برتن میں تقسیم کر لیتے ہیں تو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں''۔ (متفق علیہ)

۵- اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن زکوٰۃ اسی جذبۂ تعاون پر مبنی ہے، صدقات کے مصارف والی آیت اور ''زکوٰۃ مالداروں سے لی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی'' والی حدیث اس کی صریح دلیلیں ہیں، اس کے علاوہ بھی اسلام کے کئی احکام میں اس کی واضح جھلک موجود ہے، جیسے: صدقہ، ھبہ، وقف، صدقہ فطر، قربانی، کفارہ کی تمام اقسام؛ معاملات کی کئی اقسام، جیسے: شرکت، مضاربت، کفالت، وکالت، عاریت، ودیعت اور قرض وغیرہ۔

۶- اسلام کی تمام تشریحات کا اہم مقصد ضروریات خمسہ کی حفاظت قرار دیا گیا ہے، اور ان ضروریات میں: دین، جان اور عقل کی حفاظت کے ساتھ عرض و مال کی حفاظت بھی شامل ہے۔

ان نصوص سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ باہمی تعاون اور امداد درحقیقت اسلام کے احکام میں سے ایک اہم حکم ہے، اور اس گئی گزری حالت میں بھی دوسری اقوام اور ملتیں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں، پورے برصغیر میں صرف مسلمانوں کے چندوں اور تبرعات سے اقامتی اور غیر اقامتی نیز چھوٹے اور بڑے مکاتب اور مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے، جن میں تعلیم مفت ہوتی ہے، اور ضرورت مندوں کے لیے رہائش اور کھانا بھی فری ہوتا ہے، اس کی مثال دوسری ملتوں میں ملنی مشکل ہے، پھر غریبوں اور لاچاروں کی امداد کا جو جذبہ ملت اسلامیہ میں نظر آتا ہے وہ شاید ہی دوسری ملتوں میں نظر آئے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارا یہ جذبہ صرف چند میدانوں تک محدود ہے، رواں دواں زندگی کے کتنے ہی راستے اور میدان ایسے ہیں جن کو ہم نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور ان پر دوسری اقوام کا قبضہ ہو گیا ہے پھر وہاں اسلام کے جذبہ تعاون کو بھلا ہم کہاں پا سکتے ہیں، ان میں تو انہیں اقوام کی چھاپ اور ذہنیت نظر آئے گی جن کا ان پر قبضہ ہے، اس لیے کہ برتن سے وہی چیز چھلکے گی جو اس کے اندر ہوگی، اور اہل مغرب یا یہود و نصاریٰ کے باطن میں کیا ہے اس کو قرآن کی معجزانہ تعبیر میں سنئے:

﴿فبظلم من الذین ھادوا.......... الآیة﴾ (سو یہود کی گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سی پاک چیزیں جوان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ روکتے تھے اللہ کی راہ سے بہت، اور اس وجہ سے کہ سود لیتے تھے اور ان کو اس کی ممانعت ہو چکی تھی اور اس وجہ سے کہ لوگوں کا مال کھاتے تھے ناحق)۔

آج بھی یہود میں یہ صفات پوری کی پوری موجود ہیں، بلکہ انہوں نے اپنے شاطرانہ چالوں کے ذریعہ نصاریٰ بلکہ کل دنیا کو انہیں صفات کا خوگر بنا دیا ہے، لہٰذا آج خدمت خلق کے تمام شعبے تجارت بن چکے ہیں، جو امور خالصتاً امداد باہمی اور مخلوق خدا کی خدمت کے لیے تھے، وہ سود خوری اور ناجائز و ناحق طور پر لوگوں کا مال اور خون پسینے کی کمائی ہڑپ کر جانے کا ذریعہ بن چکے ہیں، اس مضمون میں ہم تعاونی انشورنس پر بحث کر رہے ہیں، انشورنس کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پر یہود و نصاریٰ کی چھاپ نہ پڑتی تو ہمیں اس بحث کی ضرورت ہی نہ پڑتی، اس لیے کہ انشورنس میں سود و جوا بعد میں داخل کیے گئے، ورنہ اس کی ابتداء ہی باہمی تعاون کے جذبہ سے ہوئی تھی، چنانچہ محققین کہتے ہیں کہ ''اس کی ابتداء کسانوں اور دست کاروں کو خاص قسم کے نقصانات سے بچانے کے لیے باہمی تعاون کے جذبہ سے ہوئی، منظم انداز میں سمندری انشورنس کی شروعات ۱۳۴۷ء کو اٹلی میں ہوئی، پھر ۱۶۶۶ء کو جب لندن شہر آگ کی بھیانک چپیٹ میں آیا تو لوگوں کو خیال آیا کہ اس طرح کے حوادث کے لیے تعاون کی کوئی صورت ہونی چاہیے، چنانچہ لندن میں انشورنس کے کئی آفس کھل گئے اور اس فکر نے جلد ہی فرانس، بلجیم، جرمنی اور امریکہ میں مقبولیت حاصل کر لی''۔

پھر مغرب کی خاص فکر اور سوچ اس تعاونی جذبہ پر غالب آ گئی اور تجارتی مقاصد کے تحت انشورنس کی شکلیں وجود میں آنے لگیں، ان شکلوں کی تفصیلات اور شرعی احکام ہم ان صفحات میں پہلے بیان کر چکے ہیں لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ان کی اکثر اقسام میں سود و جوا کی آمیزش ہے، جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، جب کہ حوادث کا پیش آنا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اور اس موقع پر حوادث کے شکار افراد کو مدد کی ضرورت ہونے سے بھی انکار ممکن نہیں، لہٰذا اہل فکر و نظر نے ان اقسام کے متبادل کے طور پر تعاونی انشورنس کا نظریہ پیش کیا، اور اس نظریہ نے جلد ہی عالم اسلام میں مقبولیت حاصل کر لی۔

تعاونی انشورنس کی تعریف: تعاونی انشورنس کی مختلف الفاظ سے تعریفیں کی جاتی ہیں، لیکن ان سب کا خلاصہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ''لوگوں کی ایک مخصوص جماعت مثلاً کسی بازار والے کسی خاص نقصان کے نشانہ پر ہوں اور وہ طے کر لیں کہ ہر شخص ریلیف باکس میں ایک خاص مقدار میں رقم جمع کرے گا، اگر اسی سے نقصان کی تلافی ہو جائے تو ٹھیک، اور اگر تلافی نہ ہو سکے تو یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ مزید رقم اکٹھا کی جائے گی، اور یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ صرف جمع شدہ رقم سے مدد کرنے پر اکتفا کی جائے گی اور اگر کچھ رقم بچ جائے تو یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام ممبران کو واپس کر دی جائے گی، اور یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ آگے کی ضروریات کے لیے روک لی جائے گی''۔

اس تعاونی انشورنس کو علماء اسلام کی اکثریت نے جائز قرار دیا ہے، جن میں ہم خاص طور سے شیخ ابوزھرہ، شیخ وھبہ زحیلی وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں، شیخ زحیلی فرماتے ہیں: ''جہاں تک تعلق ہے لوگوں کی کسی جماعت کے درمیان تعاونی انشورنس کا تو وہ شرعاً جائز ہے، اس لیے کہ وہ عقود تبرع میں سے ایک ہے''، اسی سے ملتی جلتی بات شیخ ابوزھرہ اور ہندوستانی علماء میں سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی لکھی ہے، جہاں تک اکیڈمیوں کا تعلق ہے تو مندرجہ ذیل اکیڈمیوں نے اسے جائز قرار دیا ہے:

(۱) مجمع البحوث الإسلامیہ – قاھرہ

(۲) مجلس الفقه الإسلامي لرابطة العالم الإسلامي

(۳) مجلس هيئة كبار العلماء

(۴) المؤتمر العالمي الاول للإقتصاد الإسلامي

تعاونی انشورنس کے امتیازی پھلو

تعاونی انشورنس کی مندرجہ ذیل خصوصیات وامتیازات ہیں:

۱- یہ تبرع کی ایک ایسی قسم ہے جس کی نظیر اگرچہ ہمیں فقہ اسلامی کی کسی عقد تبرع میں نظر نہیں آتی، لیکن جب تک کتاب و سنت اور قواعد فقہ کے مخالف نہ ہو، اس کے عدم جواز کا فیصلہ درست نہیں ہوگا۔

۲- اس کا مقصد کسی بھی گروپ کے ممبران کی حادثات پیش آنے کی صورت میں مدد ہے، اشعریین والی حدیث میں اس کی اصل موجود ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے اشعریین کے عمل کو پسند فرمایا ہے۔

۳- اس میں اگرچہ یہ جہالت ہوتی ہے کہ مشارکین میں سے کسی کو کتنا فائدہ ہوگا، لیکن عقود تبرعات میں یہ جہالت مضر نہیں ہوتی۔

۴- تعاونی انشورنس کمپنی ممبران کی نیابت میں کام کرتی ہے، لہٰذا کلیم ہونے کی صورت میں نقصان کا اندازہ کرنا، جمع مال کی حفاظت کا بندوبست کرنا، نئے ممبران کا اضافہ کرنا، تمام حساب چست و درست رکھنا، ممبران کی نیابت میں کمپنی کی ذمہ داری ہوگی، لہٰذا اسی جمع رقم سے ملازمین کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے، خواہ ان کو وکیل مانا جائے خواہ اجیر، اس لیے کہ علامہ ابن قدامہؒ نے صراحت کی ہے کہ توکیل بھی اجرت کے ساتھ صحیح ہے۔

۵- تعاونی انشورنس کی شکل اتنی آسان اور واضح ہے کہ کسی بھی طبقہ شہر یا محلّہ کے لوگ چٹ فنڈ کی صورت میں اس کی ابتداء بغیر باقاعدہ کمپنی قائم کیے ہوئے بھی کرسکتے ہیں، سب کسی معتبر اور معتمد علیہ شخص کو ذمہ دار بنادیں، اس کے ممبران بنائے جائیں جو ماہانہ یا سالانہ (جس طرح بھی طے ہو) متعین رقم بطور تبرع جمع کریں، پھر جس مقصد کے تحت رقوم جمع کی ہیں اس میں ضرورت پڑنے پر لگائیں، مثلاً اگر بیماری میں تعاون کے مقصد سے جمع کیا ہے تو کسی ممبر کے بیمار ہونے پر اگر گاڑی یا دوکان وغیرہ مین حادثہ پیش آنے پر تعاون کے مقصد سے جمع کیا ہو تو متعین حادثہ پیش آنے پر جمع رقم کو لگائیں، البتہ اگر بڑے پیمانہ پر شروع کرنا ہو تو اس کے بارے میں عالم عرب میں کئے جانے والے تجربات کو پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا۔ واللہ اعلم

بقیہ: مسلم عدل پروری کے شاندار نمونے

.....راوی بیان کرتا ہے کہ امیر المومنین کے ایک صاحبزادہ نشہ کی حالت میں پائے جاتے ہیں، کشاں کشاں خبر امیر المومنیں کو پہنچتی ہے، حکم ہوتا ہے کہ صاحب زادہ کو حاضر کیا جائے، تحقیق سے خبر درست ثابت ہوتی ہے، کوڑے لگانے کا حکم دیا جاتا ہے، صاحب زادہ بیمار ہیں، لوگ سفارش کرتے ہیں کہ شفایابی تک سزا ملتوی رکھی جائے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے، اور حکم نافذ کردیا جاتا ہے، کچھ ہی عرصہ بعد غالباً کوڑوں کے اثر سے وہ خدا کو پیارے ہوجاتے ہیں۔

☆ امیر المومنین حضرت علي کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت ہے، حضرت علیؓ کوفہ میں رعایا کی خبر گیری کے لیے گشت میں ہیں، اچانک ان کی نظر ایک عیسائی پر پڑتی ہے اس کے پاس اپنی زرہ نظر آتی ہے وہ اس کو لے کر قاضی شریح کے پاس لے جاتے ہیں اور ایک عام آدمی کی طرح اس کے خلاف مقدمہ پیش کرتے ہیں یہ زرہ میری ہے اور میں نے نہ اسے فروخت کی ہے اور نہ ہبہ کی ہے، قاضی شریح نے عیسائی سے دریافت کیا کہ امیر المومنین جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی بابت تمہیں کچھ کہنا ہے، عیسائی نے کہا کہ زرہ تو یقیناً میری ہے، مگر امیر المومنین بھی میرے نزدیک جھوٹے آدمی نہیں ہیں، شریح نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ امیر المومنین کوئی ثبوت ہے؟ حضرت علیؓ ہنس دیئے، اور فرمایا: شریح نے ٹھیک کہا، میرے پاس کوئی ثبوت تو ہے نہیں، چنانچہ قاضی شریح نے فیصلہ سنایا کہ زرہ عیسائی کو دیدی جائے، عیسائی اسے لے کر جانے لگا اور امیر المومنین اسے دیکھتے رہے، چند قدم جاکر وہ عیسائی واپس آیا اور رقت بھری آواز میں کہا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے احکام ہیں، امیر المومنین مجھے اپنے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور وہ ان کے خلاف فیصلہ دیتا ہے، أشهد أن لا اله إلا الله و أشهد أن محمداً عبدهٗ و رسولهٗ امیر المؤمنین خدا کی قسم یہ زرہ آپ کی ہے، جب آپ نے صفین کی جانب کوچ کیا تو میں لشکر کے پیچھے ہولیا یہ زرہ آپ کے بادامی رنگ والے اونٹ پر سے نکلی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تم ایمان لے آئے تو اب یہ تمہاری ہے۔

مغربی تہذیب

ایک طائرانہ نگاہ

عبدالسبحان ناخداندوی

مغربی تہذیب نے ہماری اس دنیا پر جتنا بڑا ظلم ڈھایا تاریخ انسانی میں شاید اس کی مثال نہ مل سکے، روم ایران کی ظلمت بھری تاریخ بھی اس کے سامنے ہیچ ہے، تاتاریوں کی عالمگیر یورش بھی ایک خاص حد تک تھی، لیکن اس تہذیب نے زندگی کے تمام طریقوں پر اپنا اثر ڈالا، اور دنیا میں فطری اور سادہ انداز سے جو زندگی بسر ہو رہی تھی اس تہذیب نے اپنے بدبودار طور طریق سے اسے مکدر کر دیا، فطرت اور فطری صاف ستھرے تقاضوں سے بغاوت پر اس تہذیب کی پوری عمارت کھڑی کی گئی، اس کا مقابلہ اگر کوئی ء کر سکتا تھا تو مذہبی تعلیمات اور آسمانی ہدایات کر سکتی تھیں، لیکن مذاہب پر نظر ڈالی جائے تو وہ خود اس تہذیب سے مرعوب ہیں اور امتوں نے اس سے ہار مان لی ہے، اور اپنے لیے اس ہنگامے سے بھرپور زندگی سے دور ایک گوشۂ عافیت پر قناعت کر لی ہے، دوسری تہذیبوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ قریب قریب ہر تہذیب نے مغربی تمدن کے اس سیلاب میں اپنے آپ کو گلے گلے ڈبو دیا ہے، بلکہ ہر ملک کی تہذیب اسی تہذیب کو بنیاد بنا کر اس سے بھی آگے جانے کے لیے بے چین و بے قرار ہے، چاہے وہ چین ہو یا جاپان، ہندوستان ہو یا کوریا، یا دنیا کا کوئی کونہ، ہر جگہ وہی بے حیائی، اباحیت پسندی، غیر فطری مصنوعی زندگی، کھوکھلی ہنسی اور بے لطف زندگی ہے، جس میں نہ محبت کی چاشنی ہے نہ الفت کی مٹھاس، نہ چاہتوں کے پھول کھلتے ہیں نہ اپنائیت کی خوشبو مہکتی ہے، اس تہذیب کا اگر کسی نے مقابلہ کیا ہے اور جسے بجا طور پر اس کا دعوی ہے کہ وہ دنیا کو حقیقی خوشیوں سے ہمکنار کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہے، صرف اور صرف اسلام۔ افسوس تو مسلمانوں پر ہے کہ انہوں نے اسلام کی سچی جیتی جاگتی تصویر پیش نہیں کی، وہ نبوی تعلیمات وہدایات کے لازوال نمونے منظر عام پر نہ لا سکے، خدا کے لازوال و بے مثال احکامات زندگی میں جاری نہ کر سکے، اوروں کی دیکھا دیکھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا پسند کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔

مغربی تہذیب نے فطری زندگی کے خلاف جو بغاوت کی اس کے چند نمونے یہ ہیں۔

(۱) عورتوں کو ہر میدان میں زبردستی مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا اور اس کی قیمت یہ وصول کی کہ پھر وہ عورت عورت نہ رہی، ایک سامان لطف بن گئی، بلکہ صحیح الفاظ میں چڑیا گھر کی ایک جانور بن گئی، جس کا تماشہ دیکھنے کے لیے روز انسانوں کی بھیڑ لگتی ہے، لطف یہ کہ اس بدترین اور ذلیل ترین رسوا کن غلامی کا طوق اس کی گردن میں آزادی کے نام پر ڈالا گیا، اس کی نسوانیت مسخ کی گئی، اسے گھر سے باہر نکالا گیا، بیچ چوراہے پر اس کی عزت نیلام کی گئی، پھر آرٹ، فن، ترقی، فیشن، ثقافت، حقوق نسواں، آزادئ نسواں کے نام اس کی نسوانیت کی ایک ایک ادا کو نوچ نوچ کر پھینک دیا گیا، زمانے بھر کے بھیڑیوں اور کتوں کے نرغے میں آزادی کا احساس دلا کر اسے تنہا چھوڑ دیا گیا، تاکہ ہر بھیڑیا جی بھر کے اس کا خون چوسے اور ہر کتا اطمنان سے اسے بھنبوڑتا رہے، آج پوری دنیا پر ایک خاص قسم کا پاگل پن سوار ہے، وہ یہی کہ عورت کو مرد کے شانہ بشانہ آنا چاہئے ورنہ دنیا بہت بڑے خسارے سے دوچار ہوگی، کوئی یہ

سوچنے کو تیار نہیں کہ اس غیر فطری عمل کا نتیجہ کتنا بھیانک نکلے گا اور نکل رہا ہے، عورت فطرتاً کمزور ہے اور تحفظ کی طالب بھی، یہ تحفظ ایک مضبوط گھرانہ اور صالح معاشرہ ہی دے سکتا ہے، وہیں سے اس کی جڑ کاٹی گئی اور آزادی کے نام پر ہر بھوکے بھیڑئے وکتے کے حوالے اسے کردیا گیا، کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی سنگین مذاق ہوسکتا ہے؟!!!

(۲) بچوں میں غلط قسم کی آزادی کا احساس۔

عورتوں کی طرح بچے بھی تحفظ کے طلبگار ہوتے ہیں، یہ تحفظ بھی والدین فراہم کرتے ہیں، گھریلو خاندانی نظام اس کی اساس ہے، اس منحوس تہذیب نے یا طریقہء زندگی نے ان پھولوں کی حقیقی خوشبو کو تباہ کیا، والدین سے ان کو الگ کیا، نوجوانی کا خمار ان میں اس قدر بھر دیا کہ وہ اس کے جوش میں اپنے والدین اور تمام چاہنے ولوں سے الگ تھلگ جا پڑے، ماں باپ کی فطری صاف ستھری محبت کی کوئی پذیرائی نہیں کی، ان کو ایک مشین کی حیثیت دی کہ وہ ایک خاصی عمر تک بچوں کو پروان چڑھائیں، پھر ان میں اور دوسرے اجنبیوں میں کوئی فرق نہیں، پھر اگر وہ ڈانٹ بھی دیں تو لڑکا پولس کو بلا کر ان کے ہتھکڑی لگوا سکتا ہے، ایک خاص عمر تک پہنچنے کے بعد وہ بچہ ان کے جگر کا ٹکڑا نہیں بلکہ صرف ایک پتھر ہے جس سے صرف سر پھوڑا جاسکتا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ ایک ماں اور ایک باپ اپنے بچوں کی تربیت اس احساس کے ساتھ کریں کہ ایک خاص عمر میں پہنچنے کے بعد ہمارا ان پر کوئی حق نہیں رہے گا، ہمیں اپنے تمام فطری جذبات کو کچلنا پڑے گا، ہمارا ان سے وہی تعلق قانونی طور پر مانا جائے گا جو ایک اجنبی کا دوسرے اجنبی سے ہوتا ہے، روکھا سوکھا اور پھیکا، اس محبت بھرے جذبہ کو کس نے آخر فنا کیا، کس نے بچوں کو والدین سے دور کیا، گھر سے الگ کیا، معاشرے سے کاٹ کر رکھ دیا، اجتماعی زندگی سے دور لا پھینکا، غیر فطری اور مصنوعی زندگی کے جہنم میں لا پٹخا؟ یہ صرف اور صرف اسی بے کیف اور بے فیض تہذیب کی دین ہے. بچوں کی فطری پاکیزہ معصومیت کی قاتل بھی یہی تہذیب ہے، اور والدین کی فطری صاف ستھری محبت کو ذبح کرنے والی بھی یہی ہے، اسے بہت باریک بینی سے پہچاننے کی ضرورت ہے۔

(۳) مرد وعورت کا اختلاط۔

مرد وعورت کے اختلاط نے کتنے گھروں کو جہنم بنادیا، اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، ان کے درمیان ایک پاکیزہ حد فاصل دونوں کے لیے باعث طمانینت تھا، فطری تقاضوں کی تکمیل کے لیے دین و مذہب نے کتنے صاف ستھرے طریقے دیے تھے، اسے اختیار کر کے ہزاروں سال تک انسان نے چین واطمینان کی زندگی بسر کی تھی، اس حد فاصل کو مٹادیا گیا، اور انسان کو جانوروں کی سطح پر لایا گیا، گھرانوں کے گھرانے اس سے اجڑ گیے، نہ مرد نے سکون پایا نہ عورت ہی کو سکون مل سکا، ہر طرف ایک آگ سی لگ گئی، اور آگ کے اس دریا میں جھلسنا زندگی کا ما حصل قرار پایا، یہی چیز جب کسی کے اپنے گھر میں در آتی تو آنکھیں کھلتی ہیں اور چیخ پکار مچ جاتی ہے، جب کہ دوسروں کے ساتھ اس طرح کے کھیل کو عین تہذیب کی جان قرار دیا جاتا ہے [آخر یہ تہذیب انسان کے کن کن کمالات کو مسخ کریگی، اسے کس قدر منافق بنائے گی، شاید کسی کو معلوم نہ ہو، لیکن اندازہ یہ کہ انسانوں کو یا اقوام عالم کو اس وقت ہوش آئے گا جب سب کچھ جل کر راکھ ہو چکا ہوگا، اور واپسی شاید ممکن نہ ہوگی، ایسی صورت حال میں اہل دین واہل علم کی ذمہ داری اور زیادہ نازک ہوجاتی ہے، اتنی کہ جس کی کوئی حد نہیں، اللہ کے دیے ہوئے نور بصیرت کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے]

(۴) اقدار کی پامالی

زندگی چاہے مادی ہو یا روحانی اپنے اندر تشنگی رکھتی ہے، جس کی تکمیل کا سامان اس دنیا میں قدرت کی طرف سے رکھ دیا گیا ہے، بھوک پیاس سے لے کر لباس ومکان تک جتنی بھی

ضروریات زندگی ہیں ان کو ہم تشنگی کی جگہ رکھ سکتے ہیں، اور ضروریات کی تکمیل کے لیے سامان کی فراہمی کو ہم زندگی کی سہولیت کہہ سکتے ہیں، اسی کو معاشیات کی اصطلاح میں طلب ورسد کہتے ہیں، مادی چیزوں کی طلب کی تکمیل کمال انسانی نہیں ہے، اس لیے کہ بے زبان جانور و بے عقل چرند و پرند بھی یہ کام کرتے ہیں، مغربی تہذیب کو اس پر اصرار ہے ضرورتوں کی تکمیل کے لیے سہولیات کی فراہمی اصل کمال انسانی ہے، اس میں جو شخص جتنی گہرائی میں پہنچے وہ اتنا ہی باکمال ہے، ضروریات کے دائرہ کو وسیع کر کے خواہشات کو اس میں داخل کیا گیا، اور تکمیل خواہش بھی انسانی کمال قرار پائی، اور اس سلسلے میں پیش آنے والی کسی بھی رکاوٹ کو دور کرنا حق انسانی قرار پایا، یہ اصول بنالیا گیا کہ خواہشات کا کوئی دائرہ نہیں ہوسکتا اور خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کوئی ضابطہ وضع نہیں کیا جاسکتا۔ بے لگام خواہشات اور بے روک ٹوک اس کی تکمیل، یہ اس تہذیب کا شاید خلاصہ ہے، ہم یہ جانتے ہیں کہ مادی خلا کے علاوہ بھی انسان کے اندر کچھ کمی پائی جاتی ہے جسے پورا کرنے پر ہم خوش ہوتے ہیں، اور ہمارے اندر یہ احساس ابھرتا ہے کہ ہم نے اپنے اندر کے ایک تقاضہ کو پورا کیا، انسانی ہمدردی اور جذبہء ترحم کی بنیاد پر جتنے بھی کام ہوتے ہیں وہ اسی ضمن میں آتے ہیں، بھوکے کو کھلانا، ننگے کو پہنانا، کسی کی کوئی پریشانی دور کرنا، یتیم اور کمزور کی مدد کرنا، کسی بیوہ کے کام آنا، مہمان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اپنے رشتوں کی پہچان رکھنا اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ رکھنا، بڑوں کے ساتھ ادب کرنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنا۔ جو کوئی صحیح عقل رکھتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ ان کاموں سے بھی انسان کے اندرونی جذبہ کی تسکین ہوتی ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جسے ہر دور کے انسانوں نے مانا ہے، چاہے وہ جس مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یا جس وطن کی طرف نسبت رکھتے ہوں، اسی چیز کا نام اخلاق ہے، یہی انسان کی کمال ہے، یہ اپنی قیمت خود ہیں، کسی نفع نقصان سے جوڑ کر ان کی حیثیت متعین نہیں کی جاسکتی، بالکل ویسے ہی جیسے زندگی کی دوسری ضرورتوں کی تکمیل اپنی قیمت آپ ہیں، کسی دوسرے مادی پیمانے سے ان کی قدر و قیمت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

مغربی تہذیب نے بہت بڑا ظلم یہ کیا کہ انسانی جذبات اور اعلی اخلاق کو نفع نقصان کے ترازو میں رکھ کر اس کی قیمت متعین کی، پھر وہ تمام اعلی اخلاقی معیار اس فہرست سے الگ کردیے جن کا کوئی مادی نفع نہ تھا، اور وہ اخلاق رہنے دیئے جو نفع کی صورت میں نتیجہ برآمد کریں، اس تصور سے تاجرانہ اخلاق وجود میں آئے اور وہ بھی پورے حسابی ضابطے کے ساتھ کہ اسی قدر اخلاق برتیں جائیں جس قدر نفع کی توقع ہو، ورنہ گھاٹے کا سودا ہوگا، انسانی جذبہ کو فنا کردینے کی یہ مکروہ ترین سازش تھی جو پس پردہ رچی گئی پھر اس کو انسانی حق کے نام پر پیش کیا گیا، جس نے انسانی سوچ پر اثر ڈالا، اور ایک تعداد ایسی وجود میں آئی جو لطیف احساسات اور صاف ستھرے جذبات سے یکسر خالی تھی، گویا ان کی زندگی کا ایک پہلو ہی غائب تھا، جیسے فالج زدہ انسان ہوتے ہیں جن کی ایک جانب بالکل معطل رہتی ہے، مغربی تہذیب نے دنیا کو ایسے ہی مفلوج انسان دیئے، ادھورے، ناقص الخلقت اور نامکمل، جو تہذیب انسانی کمالات کی بربادی کو اصل کمال قرار دیتی ہو وہ مکمل انسان کہاں سے لائے گی!

یاد رکھیں بے حیا جانور بن کر ہی مغربی تہذیب کا لطف اٹھایا جاسکتا ہے، باعزت انسان بن کر نہیں، یہ تہذیب سراسر خود غرضی ہے، اور اسلامی تہذیب مکمل اپنائیت، خود غرضی کی کثافت اور اپنائیت کی لطافت ہر ذی شعور کو ضرور معلوم ہوگی۔ ﴿قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ کہہ دیجیے: گندی چیز اور صاف ستھری چیز دونوں برابر نہیں ہوسکتے، چاہے تجھے گندگی کی کثرت جتنی اچھی لگے۔ (مگر ہے تو وہ گندگی ہی) (سورۃ المائدۃ: ۱۰۰)۔

آپ کے دینی سوالات اور ان کے جوابات

(آپ اپنے دینی سوالات ہماری ویب سائٹ پر بھی پوچھ سکتے ہیں) www.abulhasanalinadwi.org

قضائے عمری

سوال: میرے دادا نماز کے بہت پابند ہیں، اور روزانہ کی نمازوں کے علاوہ وہ قضائے عمری بھی پڑھتے ہیں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ ان کو یہ نہیں معلوم کہ ان سے زندگی میں کتنی نمازیں چھوٹیں ہیں۔ اس مسئلہ کا مناسب حل بتا کر ہم کو مشکور کریں؟ (طاہر، ملیشیا)

جواب: اس کے لیے آپ کو خود اپنا ذہن ٹٹولنا ہوگا اور اندازہ کرنا پڑے گا کہ کتنے دنوں سے آپ پر نماز فرض ہے، پھر غور کیجیے کہ پانچوں نمازوں میں کون سی نماز زیادہ فوت ہوتی رہی ہے، ان تمام امور کو ملحوظ رکھ کر آپ اندازہ لگائیے اور جتنی نمازیں آپ کے خیال میں قضا ہوئی ہوں ان کو ادا کرنا شروع کر دیجیے، اگر یہ اہتمام کرلیں کہ جو نماز ادا کریں اس نماز کی باقی ماندہ نمازوں میں سے ایک نماز بھی ادا کرتے جائیں تو آسانی ہوگی، اس کے باوجود اگر کچھ نمازیں باقی رہ گئیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیں گے۔

قرآن کی قسم کھانا

سوال: اگر کسی نے قرآن کی قسم کھائی اور پورا نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص قرآن یا اللہ کی قسم کھاتا ہے اور پھر اس قسم کو پورا نہیں کرتا ہے، تو اس کو تین میں سے ایک کام کرنا واجب آتا ہے: (۱) دس مسکینوں کو کھانا کھلانا (۲) ایک غلام آزاد کرنا (اور اگر یہ دونوں کام کرنے کی استطاعت نہ تو) (۳) تین دن روزہ رکھنا۔

حیض کی حالت میں مہندی لگانا

سوال: اگر کسی لڑکی نے حیض کی حالت میں بالوں میں مہندی لگائی تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ سنا ہے کہ اگر کسی لڑکی نے ایسا کیا تو وہ چالیس دن تک پاک نہیں ہوتی ہے۔ (علی خاں، فتح پور)

جواب: حیض کی حالت میں مہندی لگانا عام دنوں کی طرح جائز ہے، اور باقی سب سنی سنائی باتیں ہیں۔ بس ایسی کوئی چیز نہ لگائیں جس کی پرت بیٹھ جائے (مثلاً: نیل پالش، لپسٹک، وغیرہ) تو اس کو چھڑائے بنا غسل درست نہیں ہوتا ہے۔

برہنہ وضو کرنا

سوال: غسل کے بعد کپڑے پہنے بنا (برہنا) وضو کرنا کیسا ہے؟ وضو کر کے کپڑے بدلنے سے کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (علی خاں)

جواب: غسل خانہ میں برہنا وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ وضو کے بعد کپڑے بدلنے میں حرج ہے۔ البتہ ایسا کرنا بہتر نہیں ہے۔

نماز میں کہنیوں کا کھلا رہنا

سوال: میں ٹی-شرٹ پہنتا ہوں، اور اسی حالت میں نماز بھی پڑھ لیتا ہوں، میری کہنیاں کھلی رہتی ہیں، کیا میری نماز ہو جائے گی؟ (عمران اعظمی، ممبئی)

جواب: نماز میں کہنی کھلی رہنے سے نماز ہو جائے گی، لیکن یہ ادب کے خلاف ہے، اس لیے ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا چاہیے جس سے کہنیاں بند ہوں۔

نظروں کی حفاظت

سوال: میں کالج میں پڑھتا ہوں، میرے کالج میں استانیاں بھی پڑھاتی ہیں۔ کیا اس بات کی اجازت ہے کہ ہم ان کو پڑھائی کے دوران دیکھیں اور ان سے بحث کر سکیں؟

(محمد جنید احمد، حیدرآباد)

جواب: اگر برے خیالات پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو بحث و مباحثہ کے وقت اچٹتی ہوئی نگاہ پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بلا ضرورت دیکھنے اور بات چیت کرنے سے گریز کیا جائے۔ واللہ اعلم

غیر مسلم کو صدقہ دینا

سوال: کیا صدقہ/خیرات غیر مسلموں کو دیا جا سکتا ہے؟ (علی خاں)

جواب: صدقہ/خیرات (واجبہ) جیسے: زکوٰۃ، چرم قربانی کی رقم وغیرہ، غیر مسلموں کو نہیں دیا جا سکتا ہے۔ صدقہ/خیرات (نافلہ) جیسے: بیماری سے شفایابی کے بعد یا ثواب کی نیت سے صدقہ وغیرہ، اس قسم کے صدقات کو غیر مسلموں کو دیا جا سکتا ہے

سیرت محمدی ﷺ

کامل اور ابدی اسوہ کیوں؟

محمد نفیس خاں ندوی

انسانی مزاج اور اس کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں اس کے سامنے ہمیشہ کوئی ایسا نمونہ ہو جس کے نقوش پر چل کر وہ اپنا سفر مکمل کر سکے، یہ نمونے عام طور پر جزئی یا وقتی ہوتے ہیں، چونکہ وہ انسان کے اپنے اختیار کردہ ہوتے ہیں اسی لیے وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی بھی ہوتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے ہر دور اور ہر علاقہ میں یہ قابل تقلید نمونے بدلتے رہتے ہیں، بسا اوقات ایک ہی گھر کے افراد کی آئیڈیل شخصیات ایک دوسرے سے بالکل منفرد ہوتی ہیں، عام طور پر ان کا تعلق انسانی مزاج و مذاق اور ماحول کی تبدیلی سے ہوتا ہے۔

انسان ذہنی یا علمی طور پر جس شخصیت سے متاثر ہوتا ہے اسی کو وہ اپنے لیے آئیڈئل سمجھتا ہے، اگرچہ دوسروں کی نظر میں اس میں بہت ساری خرابیاں ہی کیوں نہ ہوں، لیکن معاملہ اس وقت بگڑتا ہے جب اس آئیڈیل کو ہر میدان میں قابل تقلید سمجھ لیا جاتا ہے، اور مختلف اوقات میں اس سے رہنمائی بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، کیونکہ وہ شخصیات ممکن ہے کہ کسی ایک میدان یا کسی ایک فن میں قابل تقلید ہوں لیکن ان کو دائمی اور کامل اسوہ نہیں بنایا جاسکتا، اس سلسلہ میں انسان سب سے زیادہ ٹھوکریں اس وقت کھاتا ہے جب وہ مذہبی معاملہ میں کسی کو اپنے لیے قابل تقلید سمجھتا ہے اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کر ذہن وقلب کا سکون حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے، لیکن دنیا کی کوئی شخصیت ہر میدان میں اور زندگی کے ہر مرحلہ میں قابل تقلید نہیں ہے، جس کی وجہ سے اطمنان وسکون کے بجائے اضطراب و پریشانی بڑھتی جاتی ہے اور پھر نظر انتخاب کسی دوسری شخصیت کو تلاش کرتی ہے، اس طرح یہ سلسلہ چلتا جاتا ہے اور انسان ٹھوکریں کھاتا جاتا ہے۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے مسلمانوں کو محمد ﷺ کی ذات میں ایک کامل ودائمی اسوہ عطا فرمایا، یہ اسوہ زندگی کے ہر میدان میں ہے، ہر شعبہ میں، ہر علاقہ میں، ہر ماحول میں، ہر پیشہ میں، ہر حکومت میں اور ہر طبقہ میں ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ ﷺ کی ذات مسلمانوں کے لیے ہی اسوہ ہے بلکہ یہ اسوہ ہر مذہب وملت کے افراد کے لیے بھی یکساں قابل تقلید ہے، جو بھی اس کو اختیار کرے گا وہ زندگی کی وسعتوں اور ان سعتوں میں پھیلی ہوئی خدا کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا، اور اگر اس اسوہ کے ساتھ وہ ایمان بھی اختیار کرتا ہے تو وہ اس زندگی کے بعد اس زندگی میں بھی کامیاب وسرخرو ہوگا جس زندگی میں کبھی موت نہیں۔

عام طور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اسوہ تو ہیں مگر دائمی یا مکمل اسوہ نہیں ہیں، حتی کہ یہ بات ایک معروف مسلم اسکالر نے کہہ دی کہ اللہ کے رسول ﷺ اسوہ حسنہ ہیں، اسوہ کاملہ نہیں ہیں، اور بطور دلیل انھوں نے یہ آیت پیش کی: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے) ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں "اسوہ حسنہ" کہا گیا ہے نہ کہ اسوہ کاملہ۔ جبکہ ہر وہ شخص جو اپنی عقل پر تھوڑا بھی زور دینے کی کوشش کرے گا بخوبی سمجھ جائے گا کہ یہ اعتراض نہایت بیجا اور غیر معقول ہے، کیونکہ دنیا کی معمولی سے معمولی چیز بھی اس وقت تک حسین اور خوبصورت نہیں کہی جاسکتی جب تک کہ وہ کامل ومکمل نہ ہو، کیونکہ پہلے مرحلہ کمال کا ہے اور پھر حسن وخوبصورتی کا، اور اللہ کے رسول ﷺ کی ذات نہ صرف کامل ومکمل ہے بلکہ اس میں ایسا حسن ہے کہ دل بے ساختہ اس کی طرف کھنچتا ہے، بس شرط ہے دل کو شرک غلاظتوں سے پاک وصاف کرنے کی۔

اہل علم کے نزدیک یہ سوال ہمیشہ سے رہا ہے کہ کس شخصیت کو کامل ودائمی اسوہ قرار دیا جاسکتا ہے، اور پھر ماہرین عقلیات ومذہبیات، اور حکماء وفلاسفہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کسی بھی شخصیت کے قابل تقلید اور اس کے کامل وابدی اسوہ ہونے کے لیے چار (۴) شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) تاریخیت (۲) کاملیت
(۳) جامعیت (٤) عملیت

تاریخیت: اس سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو حالات زندگی پیش کیے جائیں وہ تاریخی لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں کہانیوں کی نہ ہو، خیالی اور مشتبہ سیرتیں خواہ کتنے ہی مؤثر اور دلکش پیرایے میں بیان کی جائیں طبیعتیں ان سے گہرے اور دیرپا اثرات نہیں قبول کرسکتیں، اور ان پر انسان اپنی زندگی کی بنیادیں نہیں رکھ سکتا۔

سب سے قدیم مذہب ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے، مگر ان کے دیوی دیوتاؤں میں سے کسی کو ''تاریخی'' ہونے کی حیثیت حاصل نہیں ہے، رامائین کے کن پہلوؤں کو تاریخ کا حصہ کہہ سکتے ہیں؟ خود رام کے سلسلہ میں تاریخ خاموش ہے۔ اسی طرح ''مہابھارت'' صرف ایک جنگ کی کہانی ہے جس کی حقیقت بھی تاریخی اعتبار سے تارتار ہے۔

قدیم ایرانی مجوسی مذہب کا بانی زرتشت جس کے متبعین آج بھی موجود ہیں، اس کے حالات زندگی محققین کی متضاد آراء سے اتنے مشکوک ہیں کہ کوئی انسان ان پر بھروسہ کرکے اپنی زندگی کی بنیاد قائم نہیں کرسکتا۔

ایشیائے قدیم میں بدھ مذہب کو خاص اہمیت حاصل ہے، ایک بڑے حصے پر آج بھی اس کی حکومت قائم ہے اور اس کی تہذیب کا غلبہ ہے، لیکن اس کے باجود گوتم بدھ کی زندگی کے بنیادی پہلو بھی تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہ ہوسکے۔

سامی قوموں میں سیکڑوں پیغمبر گذرے ہیں لیکن ان کے ناموں سوا تاریخ ہمیں کچھ نہیں بتاتی، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ کی زندگیوں کے چند پہلوؤں کے علاوہ دیگر ضروری اجزاء تاریخ سے گم ہیں، اور ان کے بارے میں جو معلومات پائی جاتی ہیں وہ بس اتنی ہی ہیں جتنی قرآن نے بیان کردی ہیں بس، حالانکہ یہ شخصیات اپنے دور میں کامل ومکمل اسوہ تھیں لیکن دائمی نہ تھیں، اسی لیے قرآن مجید نے ان کی زندگیوں کے وہی حالات پیش کیے ہیں جن کا تعلق امت محمد یہ ﷺ کے رشد وہدات سے ہے۔

اس کے بالمقابل آنحضرت ﷺ کی ذات مقدس تاریخ کے صفحات میں نہ صرف محفوظ ہے بلکہ تاریخ کا ایک روشن اور قیمتی عنوان ہے، یہ تاریخ کا وہ حصہ ہے جس پر پوری انسانیت کو فخر ہے، اور اس کی گواہی ان غیروں نے بھی دی ہے جن کی ساری زندگی اسلام دشمنی میں گذری ہے، یہ وہ صداقتیں ہیں جن کو کوئی چاہ کر بھی نہیں جھٹلا سکتا، چودہ سو سال سے مسلسل آپ ﷺ کا تذکرہ رہا ہے، تاریخ میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا جب آپ ﷺ کی ذات کو مؤرخین نے موضوع نہ بنایا ہو، اور شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جس میں آپ ﷺ کی زندگی کے انمٹ نقوش نہ ملتے ہوں!!

کاملیت: قابل تقلید سیرت دوسرا اور اہم عنصر کاملیت کا ہے، یعنی یہ ضروری ہے کہ قابل تقلید شخصیت کی زندگی کے تمام حصے روشن وتاباں ہوں، تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کی زندگی کہاں تک انسانی رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آج بدھ مذہب کے پیروکار دنیا کے ایک بڑے حصے پر قابض ہیں، مگر تاریخی اعتبار سے گوتم بدھ کی زندگی محض چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے، اگر انھیں تاریخ کا درجہ دے کر ان کی زندگی کے ضروری اجزاء تلاش کریں صرف ناکامی ہی ہوگی۔

یہی حال زرتشت کا ہے، مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہم اس کی جائے پیدائش تک سے پوری طرح واقف نہیں اور نہ اس کے عہد سے متعلق ہی معلومات موجود ہیں۔

انبیائے سابقین میں سب مشہور زندگی حضرت موسیٰؑ کی ہے، موجودہ توریت کو بالفرض مستند مان بھی لیا جائے تو ان کے متبعین اس نے تو انکار نہیں کرسکتے کہ یہ خود حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی تصنیف نہیں ہے، دنیا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے سوانح نگار سے بالکل ناواقف ہے۔ البتہ توریت کے حوالہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی، لیکن توریت کی پانچوں کتابوں میں ان کی زندگی کے ضروری اجزاء موجود نہیں ہیں، ان میں جو کچھ موجود ہے ان کا تعلق حضرت موسیٰ

(علیہ السلام) کی پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت اور پھر چند لڑائیوں کے تذکرے کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار آج یورپین مردم شماری کے اعتبار سے دنیا میں سب سے زیادہ ہیں، مگر اس پیغمبر کے حالات زندگی دیگر مذاہب کے بانیان کے حالات سے کے مقابل سب سے کم معلوم ہیں، انجیل کے مطابق آپ کی زندگی ۳۳ برس تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں، اور اگر ان کو درست مان بھی لیا جائے تو اس میں بھی آپ کی زندگی کے صرف چند ابواب ہیں، آپ پیدا ہوئے، پھر مصر لائے گئے، لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے، اس کے بعد آپ غائب ہوجاتے ہیں، اور پھر اچانک تیس برس کی عمر میں بپتسمہ دیتے، پہاڑوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے اور اور یہودیوں سے مناظرے کرتے دکھائی دیتے ہیں، یہودی انھیں پکڑواتے ہیں اور عومی عدالت انھیں سولی دیدیتی ہے، تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی دکھائی دیتی ہے، تیس برس یا کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گذرا اور کیسے گذرا؟ اس سے دنیا ناواقف ہے اور رہے گی.....!

لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر پہلو محفوظ ہے، آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے سے لے کر آپ ﷺ کی وفات اور اس کے بعد کے بھی حالات تاریخ کے سینوں میں محفوظ ہیں، بلکہ ہر اس شخص کی زندگی کے اہم اور ضروری اجزاء بھی تاریخ کا حصہ ہیں جن کا آپ ﷺ سے تعلق و رشتہ رہا ہے۔

جامعیت: کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لیے تیسری شرط جامعیت کی ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی یا ایک فرد انسان کو اپنی ہدایت اور ادائیگی فرض کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس ''مثالی سیرت'' میں موجودہ ہوں۔ اللہ اور بندہ اور پھر بندوں کے مابین حقوق و فرائض اور واجبات کی تفصیل اور انھیں بخوبی ادا کرنے کا نام ''مذہب'' ہے، اب ہر مذہب کے متبعین پر فرض ہے کہ وہ ان حقوق و فرائض کی تفصیلات اپنے اپنے بانیوں یا داعیوں کی سیرت میں تلاش کریں۔

بدھ مت اور جین مت کے پیروؤں بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خدا کو تسلیم ہی نہیں کرتے، تو ان کے بانیوں کی زندگیوں میں محبت الٰہی اور توحید پرستی وغیرہ کی تلاش بے سود ہے، البتہ جن مذاہب نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے ان کے بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں یا بہت ہی کم ہیں۔ توریت کی پانچوں کتابیں یہ نہیں بتاتیں کی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے تعلقات قلبی، اطاعت و عبادت اور اللہ رب العزت کی صفات کاملہ کی تاثیر ان کے قلب اطہر میں کہاں تک تھی، حقوق اللہ کی ادائیگی میں وہ کس قدر ڈوبے ہوتے تھے اور حقوق العباد کے سلسلہ میں ان کی کیا ہدایات ہیں؟ اسی طرح انجیل حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی کا آئینہ ہے، لیکن انجیل کی تعلیمات کا لب لباب صرف یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ بیٹے تھے، لیکن اس کی بھی وضاحت نہیں ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں باپ اور بیٹے کے تعلقات کیسے تھے؟

انسان کو معاشرتی زندگی میں عملی نمونہ کے لیے جن اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے ان میں اخلاق و عادات، طریق زندگی، آداب معاشرت، حقوق العباد اور حقوق اللہ وغیرہ بنیادی اجزاء ہیں اور یہی بنیادی اجزاء حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰہما السلام کے سوانح عمری سے گم ہیں۔

اب حقوق العباد کو لیجیے، گوتم بدھ اپنے اہل و عیال، دوست واحباب، حکومت و سلطنت کو چھوڑ کر جنگل چلے گئے، لیکن ان کی زندگی کا یہ اہم پہلو ان کے ماننے والوں کے لیے قابل تقلید نہیں بن سکا، ورنہ چین، جاپان، تبت، برما وغیرہ میں صنعتیں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہاجاتے اور بجائے آباد شہروں کے صرف سنسان جنگل رہ جاتے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی میں جنگ و سپہ سالاری کا پہلو نمایاں ہے، اس کے علاوہ ان کے پیروکاروں کے لیے دنیوی زندگی میں حقوق و فرائض کی ادائیگی کا کوئی قابل تقلید نمونہ موجود نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ تھیں، اور انجیل کے مطابق آپ کے بھای بہن بلکہ مادی باپ بھی تھے، مگر آپ کی سیرت میں ان رشتہ داروں کے ساتھ آپ کے طرز عمل اور سلوک کے نمونے ناپید ہیں، جبکہ دنیا ہمیشہ

انہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی۔ انجیل کے مطابق انھوں نے محکومانہ زندگی بسر کی ہے اس لیے ان کی سیرت حاکمانہ مثالوں سے خالی ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی سیرت اور ان کی پیغمبرانہ زندگی ہر طرح کی حرف گیری سے پاک ومبرا ہے، وہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے تھے، اور اپنے اپنے وقت میں یہی قابل تقلید نمونے تھے مگر آج ان کی سیرت کی کتابیں ان کی زندگی کے اہم اور ضروری ابواب سے خالی ہیں۔

عملیت: ''آئیڈیل لائف'' کے لیے آخری معیار عملیت ہے، یعنی داعیان وبانیان مذاہب جو تعلیم دیتے ہیں ان کو خود انھوں نے اپنی زندگی میں برتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ انسانی سیرت کے کامل وقابل تقلید ہونے کی دلیل اس کے نیک اقوال اور نظریات نہیں بلکہ اس کے اعمال وکارنامے ہوتے ہیں۔

چنانچہ جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا وہ معاف کرنے کی عملی مثال کیسے پیش کرسکتا ہے؟ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ غریبوں کی مدد کیسے کرسکتا ہے؟ جو بیوی، بچے، احباب واقارب نہ رکھتا ہو وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لیے قابل تقلید کیسے بن سکتا ہے؟ جسے دوسروں کو معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو وہ غصہ ور لوگوں کے لیے نمونہ کیسے بن سکتا ہے؟ جس کے قدموں میں حکومت وفرمانروائی نہ ہو وہ حکمرانوں کی رہنمائی کیسے کرسکتا ہے؟ جس کو اذیتیں نہ پہنچی ہوں وہ صبر کی مثال کیسے بن سکتا ہے؟؟

اس معیار پر بھی سیرت محمد ﷺ کے سوا کوئی سیرت نہیں اتر سکتی، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ دیگر انبیاء کرام کی سیرتیں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ ان کی سیرتیں جو عام انسانوں تک پہنچیں وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحت الٰہی کے مطابق تھا تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے، اس لیے ان کی سیرتوں کو آئندہ زمانہ کے لیے محفوظ رکھنا ضروری نہ تھا، صرف حضرت محمد ﷺ تمام اقوام کے لیے دائمی اسوہ بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ ﷺ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل اور ہمیشہ کے لیے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی، اور یہی ''ختم نبوت'' کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

بقیہ: غیر اسلامی اخلاق-قرآن وسنت کی روشنی میں

ایک جگہ خاص طور سے حسد سے بچنے کی ہدایت فرمائی:

"إیاکم والحسد فإن الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب" (ابوداؤد) تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

اس طرح بدزبانی فحش گوئی اور برے الفاظ کا استعمال آدمی کو سوسائٹی میں اچھوت بنا دیتا ہے اور لوگ اس کے خوف سے اس کے قریب آنا بھی ناپسند کرنے لگتے ہیں ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے ملنے آیا آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اپنے قبیلہ میں یہ نہایت برا آدمی ہے لیکن جب وہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تو آپ ﷺ اس سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے کہا جب آپ ﷺ نے اس کو دیکھا تو برا کہا پھر اس سے نہایت لطف ومحبت سے ملے، فرمایا عائشہ تم نے ہم کو بدزباں کردیا، خدا کے نزدیک قیامت کے سب سے برا شخص وہ ہوگا جس کی بدزبانی کے خوف سے لوگ اس کو چھوڑ دیں) (بخاری)

شراب نوشی

اسلام کی دور بین نگاہوں نے شراب کی ان مضرتوں اور نقصانات کو اس وقت دیکھ لیا جبکہ دنیا ان کو اب دیکھ پائی ہے اس لیے اس نے اس کی حرمت کا اعلان اس وقت کردیا تھا اور مسلمانوں نے بسر وچشم اس کو قبول بھی کیا تھا اور پرانے پرانے شراب نوشوں نے اس اسلامی حکم کے آگے سر جھکا دیا تھا، قرآن مجید نے ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا تھا ''﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (مائدہ/۹۰) اے ایمان والو! شراب اور جوا اور چڑھاوے، بت اور پانسے گندے کام ہیں، شیطان کے ہیں، ان سے بچتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمھارے آپس میں شراب اور جوئے سے دشمنی اور بیر ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر اب تم باز آتے ہو۔

یادرفتگاں

دارعرفات کی دو ذمہ دار شخصیتوں کا حادثۂ وفات

مولانا سید احمد علی حسنی: دسمبر ۲۰۱۱ء میں دار عرفات کو دو اہم حادثوں سے دو چار ہونا پڑا، پہلا حادثہ ۱۲/ دسمبر کو ڈائریکٹر دارعرفات و مدیر سہ ماہی تعمیر افکار مولانا سید احمد علی حسنی ندوی کی وفات کا پیش آیا، دوسرے دن دائرۂ شاہ علم اللہؒ کے خاندانی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، نمازِ جنازہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ نے پڑھائی، مولانا تقریباً پچیس سالوں سے دارعرفات کی ذمہ داری سنبھال رہے تھے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قدیم فضلاء میں تھے، ان کے ساتھیوں میں مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا' حضرت سید احمد شہیدؒ کے بھانجے مولانا سید احمد علی شہیدؒ کی اولاد میں تھے اور ان کی والدہ حضرت خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کی پوتی تھیں۔

دارالعلوم سے فراغت کے کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوگئے، ایک مدت گزارنے کے بعد کویت چلے گئے، کچھ مدت کے بعد عراق کے حملہ کے بعد وہ واپس ہوئے اور دار عرفات سے وابستہ ہوگئے، اس کی انتظامی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی جو انہوں نے بحسن خوبی انجام دی۔

دارعرفات سے وابستگی کے بعد سے انہوں نے متعدد علمی و ادبی اسفار بھی کیے اور خاص طور پر رابطۂ ادب اسلامی کے جلسوں میں شریک ہوتے، اگرچہ انہوں نے عرصۂ دراز کے بعد قلم سنبھالا مگر ان کی تحریریں بڑی برجستہ اور شگفتہ ہوتی تھیں، ہندی میں ترجمانی کا بھی ان کو اچھا ملکہ حاصل تھا۔ حضرت مولاناؒ کی کتاب "قصص النبیین" کا ترجمہ ان کا شاہکار ہے، آخیر میں ان کی سب سے بڑی یادگار ان کا ہندی ترجمہ قرآن مجید ہے، اپنی زندگی کے آخری سالوں میں وہ اسی بابرکت کام میں مشغول رہے، پندرہ بیس دن صاحبِ فراش رہے اور ۱۲/ دسمبر کو مغرب کے قریب جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

جناب سید مسلم حسنی: ۲۸/ دسمبر کو دوسرا بڑا حادثہ دارعرفات کے خازن جناب سید محمد مسلم حسنی صاحب کا پیش آیا، جو اس وقت خانوادۂ علم الٰہی کے بزرگ ترین فرد تھے، انہوں نے ہجری اعتبار سے مکمل سو سال کی عمر پائی، ساری زندگی اپنے مالک کی اطاعت میں بسر کی، آخری چند سال تو ایسے گذرے کہ وہ مستقل آخرت کی فکر میں رہتے اور اسی کی تیاری میں لحہ لحہ گذارتے۔ عنفوانِ شباب ہی سے ان کو اپنی اصلاح کی فکر تھی، اسی زمانہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی اور حضرت کی خدمت میں رمضان ٹانڈہ میں گذارا اور زندگی بھر ذکر و شغل کے پابند رہے۔ حضرت کی وفات کے کچھ عرصہ بعد عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ سے تعلق قائم کیا۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ان کا گہرا تعلق تھا، وہ حضرت مولاناؒ کے بچپن کے دوست بھی تھے اور رشتہ میں مولاناؒ کے خالہ زاد بہن کے فرزند اور حقیقی بھتیجی کے شوہر تھے۔ ان کی زندگی قابل رشک تھی، وہ عالم نہیں تھے مگر ان کا دینی مطالعہ علماء کے علم پر بھاری تھا، وہ شیخ طریقت نہیں تھے لیکن ان کی ذکر و شغل کی زندگی اور آخرت کی فکر مشائخ طریقت کی یاد دلاتی تھی، کسی سے خدمت لینا ان کو سخت ناگوار گذرتا تھا، معذوری کے دنوں میں بھی نمازوں کے اہتمام کا حال یہ تھا کہ زبان بند تھی مگر ہاتھ تیمّم کی مٹی تلاش کرتے تھے اور وہ دے دی جاتی تو اپنے طور پر تیمّم کر کے نماز کی نیت بندھ جاتی، دن میں کئی مرتبہ یہی صورت حال پیش آتی۔ وہ حقیقی معنوں میں اس حدیث کا مصداق تھے کہ "تم میں بہتر وہ ہے جس کی عمر طویل ہو اور اعمال اچھے ہوں"۔

اپنے پیچھے انہوں نے دو بیٹوں سید حسن حسنی، ڈاکٹر سید احمد حسنی، ایک بیٹی اور پوتوں، پوتیوں، نواسہ، نواسیوں کو یادگار چھوڑا، اپنی زندگی میں ہی ایک بیٹے، ایک بیٹی، داماد اور بہو کو سپرد خاک کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کے درجات بڑھائے!

محترم قارئین کرام! دارعرفات سے شائع ہونے والا سہ ماہی "تعمیر افکار" کا اگلا شمارہ (جنوری تا مارچ) جناب سید احمد علی حسنی ندوی اور جناب سید مسلم حسنی (رحمۃ اللہ علیہما) سے متعلق خصوصی شمارہ ہوگا، اہل تعلق سے قلمی تعاون کی امید ہے۔ (ادارہ)

میڈیا پر کنٹرول

''اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔ ہم میڈیا کو اپنے قبضے اور قابو میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کر سکیں اور نہ ہی ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہنچ سکے، ہمارے قبضہ وتصرف میں ایسے اخبارات ورسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید وحمایت کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا بغاوت کی حامی، حتی کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی واخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے، اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کر دیں گے، اس کے لیے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں، ہم یہودی ایسے مدیروں اور ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جو بدکردار ہوں اور ان کا مجرمانہ ریکارڈ ہو، ہمارا یہی معاملہ بدعنوان سیاستدانوں اور لیڈروں اور مطلق العنان حکومتوں کے ساتھ ہوگا، جن کی ہم خوب تشہیر کریں گے ان کو دنیا کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کریں گے، لیکن ہم جیسے ہی محسوس کریں گے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں بس فوراً ہی ان کی ان برائیوں اور اخلاقی بدعنوانیوں کا اعلان کر دیں گے جن پر اب تک ہم نے پردہ ڈال رکھا تھا، اسی طرح ہم ان کا کام تمام کر دیں گے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو''۔

(یہودی پروٹوکول سے ماخوذ)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly **Payam-e-Arafat** Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

VOLUME 4 | JANUARY 2012 | ISSUE 01

ہماری مطبوعات

Designed by Mohammad Makky Hasani Nadwi

Sayyid Ahmad Shaheed Academy

Contact: 9918818558

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI

Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli, U.P.
Mobile: 9918385097, 9918818558
E-Mail: markazulimam@gmail.com
www.abulhasanalinadwi.org

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi
On Behalf of: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi
Printed at S.A. Offset Printers, Masjid ke peeche,Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli, U.P.